www.KitaboSunnat.com

پروفیسر عبدالرؤف☆

سیاستہ شرعیہ

اسلام کا طرزِ حکومت

[ایک اُصولی بحث]

اسلامی تعلیمات کے ساتھ انسانی تجربات کا باہمی امتزاج کیسے ہو، یہ ایک بڑی اہم بحث ہے جو عقائد وافکار کے میدان میں عقل ونقل کے حوالہ سے معروف رہی ہے۔ بیسویں صدی کے وسط میں مسلم معاشرے جب ایک لمبا عرصہ مختلف سامراجی قوتوں کے زیر نگین رہنے کے بعد آزادی کی انگڑائیاں لینے لگے تو انہیں لادین سیاسی نظاموں کو دین آشنا کرنے کی فکر بھی لاحق ہوئی تو یہ سوال ابھر کر ان کو پیش آیا کہ انسانی تاریخ کے ارتقائی جائزہ میں جو مختلف نظام ہائے حکومت سامنے آتے رہے، ان کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے؟

اس کے لیے انداز تو یہ اختیار کیا گیا کہ انسانی تجربوں کو کچھ اسلامی تجریدی تصورات سے ہم آہنگ کر کے مروّجہ نظاموں کو اسلامی قرار دے لیا جائے۔ چنانچہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کا اقتدارِ اعلیٰ، انسان کی نیابتِ الٰہی کے فلسفے کی آمیزش کے علاوہ شورائی نظامِ حکومت کے دعوے سے کام لیا گیا تو دوسری طرف سیاسی نظاموں کی بحث میں منصوص Occupied اور غیر منصوص Unoccupied (مباحات) کی تقسیم کر کے مباحات کا وسیع دروازہ کھولنے کا موقف اختیار کیا گیا۔ حالانکہ مسئلہ صرف بنیادی فلسفے کا نہیں بلکہ عملاً یہ لادین سیاسی نظام جب سیکولر تصور سے تشکیل پاتے ہیں تو ان کا نقشہ اسلامی طرزِ حکومت سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ علامہ اقبالؒ نے کیا ہے

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر ۔۔۔ خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مروّجہ سیاسی نظاموں کے تمام بنیادی عناصر کا تجزیہ کرتے ہوئے انہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پرکھا جائے پھر انسانی تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دورِ حاضر میں اسلامی نظام کا مکمل نقشہ تیار کیا جائے۔

زیر نظر مضمون میں بالخصوص اس پہلو کو تو سامنے نہیں رکھا گیا کہ مروّجہ نظاموں کے اساسی عناصر کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہو، تاہم اوّل الذکر طرزِ فکر سے مروّجہ نظاموں کو دین سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ان میں اسلام کا بنیادی فلسفہ شامل کرنے کی ایک اچھی کوشش کی گئی ہے لیکن عملی طور پر جو معذرت خواہانہ اندازِ فکر اختیار کیا گیا ہے وہ مقالہ نگار کی علمی مجبوری ہے کہ دینی تعلیمات کے رسوخ کے بغیر صرف سیاسیات کے پروفیسر ہونے کی وجہ سے وہ اسلامی تحقیق نہیں رکھتے۔ ہم انہیں توجہ دلاتے ہیں کہ وہ جدید سیاسیات کی بصیرت کے علاوہ اسلامی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو انہیں نظر آئے گا کہ سیکولر نظاموں کا عملی نقشہ بھی اس طرح کی اباحیت کے ذیل میں نہیں آتا جو معذرت خواہانہ اندازِ فکر کے شکست خوردہ ذہن نے قبول کر رکھی ہے۔ (محدث)

انسان کے لئے معاشرے میں رہنا ضروری اور لازمی امر ہے کیونکہ وہ فطری طور پر مدنی الطبع ہے، اسی لئے مسلم وغیر مسلم سیاسی مفکرین کا یہ کہنا ہے کہ "انسان ایک معاشرتی حیوان ہے، جس طرح

☆ صدر شعبۂ سیاسیات، گورنمنٹ کالج، مظفر گڑھ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کا معاشرے میں رہنا ضروری ہے، اسی طرح معاشرے میں تنظیم کا وجود میں آنا بھی ضروری ہے" جب سے انسان کی اس دنیا میں آمد ہوئی ہے اس وقت سے معاشرہ اور پھر کسی نہ کسی صورت میں تنظیم بھی موجود رہی ہے۔ قدیم غیر مہذب اور غیر متمدن معاشرہ ہی کیوں نہ ہو، کچھ نہ کچھ قواعد و ضوابط، خواہ وہ رسم و رواج کی صورت میں ہی ہوں، کی پابندی وہاں بھی کی جاتی رہی ہے، چنانچہ مشہور سیاسی مفکر ارسطو نے کہا ہے کہ سیاسی تنظیم بھی فطری ضرورت ہے، وہ اپنی مشہور کتاب ''Politics'' میں لکھتا ہے:

"یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ریاست کا قیام فطری اَمر ہے، اس لئے کہ انسان فطری طور پر ایک سیاسی حیوان ہے" (۱)

منظم ریاستوں کے وجود میں آجانے کے بعد ریاست و حکومت کے نظام کو چلانے کے لئے باقاعدہ واضح طور پر قواعد و ضوابط بنائے جانے لگے جن کے مطابق حکومت کی تشکیل و تنظیم، اس کے اختیارات و فرائض، حکومت اور شہریوں کا تعلق اور شہریوں اور باشندوں کے حقوق وغیرہ کا تعین کیا جانے لگا، حکومت کے اَغراض و مقاصد صراحت کے ساتھ ذکر کئے جانے لگے۔ ان باقاعدہ طور پر متعین ضابطوں اور اُصولوں کو ملک اور ریاست کا دستور یا آئین کہا جانے لگا۔ پروفیسر گیٹل (Gettell) نے آئین یا دستور (Constitution) کے بارے میں تحریر کیا ہے:

"ایسے بنیادی اُصول، جن کی بنیاد پر کسی ریاست کے طرز کا تعین ہوتا ہے، اس کا آئین کہلاتے ہیں...... آئین ان قواعد کا مجموعہ ہے جن کی رو سے حکومت اور اس کی رعایا کے درمیان قانونی تعلقات قائم کئے جاتے ہیں اور جن کے مطابق ریاست کے اختیارات کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ان قواعد و ضوابط کا مجموعہ ہے جن کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ کے اختیارات کا مستقلاً اظہار ہوتا ہے" (۲)

دنیا میں نافذ العمل قدیم ترین دستور

ریاستوں اور ملکوں کا تحریری آئین بنانے کے لئے دستور ساز اسمبلی، دستور ساز کنونشن یا دستور ساز کمیشن تشکیل دیئے جانے لگے۔ امریکہ کا دستور بنانے کے لئے مئی ۱۷۸۷ء میں فلاڈلفیا کے مقام پر ریاستوں کے پچپن نمائندے اکٹھے ہوئے۔ اس دستور ساز کنونشن نے اپریل ۱۷۸۹ء میں آئین کو آخری شکل دے کر منظور کرلیا اور اس کا نفاذ عمل میں آیا۔ اس آئین کو نافذ ہوئے دو سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوچکا ہے۔ اس آئین کے تحت ملک کا نظامِ حکومت مستحکم طریقے سے چل رہا ہے۔ امریکیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ پیٹرسن (Thomas E. Patterson) نے لکھا ہے:

"آج امریکہ کا دستور دنیا کا سب سے پہلا ایسا دستور ہے جو ابھی تک نافذ العمل ہے۔ اس عرصے میں فرانس چودہ آئین بنا چکا ہے جبکہ امریکہ میں وہی ایک ہی دستور ہے" (۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکہ کے آئین سے بھی قدیم ایک اور آئین ہے لیکن وہ غیر تحریری کہلاتا ہے۔ برطانیہ کا آئین کسی دستور ساز کنونشن یا دستور ساز پارلیمنٹ نے باقاعدہ غور و خوض کے بعد مرتب نہیں کیا بلکہ اس کا بیشتر اور اہم حصہ سیاسی رواجات پر مبنی ہے، اس لئے ڈائسے (Dicey) نے کہا ہے:

"اس کی تخلیق کے لئے کسی خاص دن اور تاریخ کا تعین نہیں کیا جاسکتا، کچھ لوگوں پر مشتمل ادارہ اس کا خالق ہونے کا دعویدار نہیں ہوسکتا۔ ایسی کسی دستاویز کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس میں اس آئین کی دفعات موجود ہیں"(۴)

امریکہ کے تحریری دستور سے پہلے اور برطانیہ کے غیر تحریری دستور سے بھی بہت پہلے دنیا کی سلطنتوں کے دساتیر بنائے جاتے رہے ہیں لیکن مسلم مفکرین کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کے ان دساتیر سے ایک ہزار سال سے زیادہ پہلے جو آئین مرتب ہوا اور جو درحقیقت دنیا کا پہلا تحریری دستور کہلانے کا مستحق ہے، وہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی پہلی اسلامی ریاست کا ہے۔ تاریخ و آثار کے ایک ممتاز محقق ڈاکٹر حمید اللہ☆ نے تحریر کیا ہے:

"غرض عام قواعد و قوانین ملک کم و بیش تحریری صورت میں ہر جگہ ملتے ہیں لیکن دستورِ مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لایا جانا اس کی نظیر باوجود تلاش کے مجھے عہد نبوی سے پہلے نہیں مل سکی۔ بے شبہ منو سمرتی (۳۰۰ ق م) اور اس کے ہم عصر ارسطو (۳۸۴ تا ۳۲۲ ق م) کی کتابوں میں سیاسیات پر مستقل تالیفیں بھی ملتی ہیں۔ ارسطو نے تو اپنی ہم عصر شہری مملکتوں میں سے بشمول ہندوستان (۱۵۸) کے دستور بھی لکھے تھے...... لیکن یہ سب یا تو درسی یا مشاورتی کتابوں کی حیثیت رکھتی ہیں اور مسلمانوں کے ہاں نصيحة الملوك قسم کی تالیفوں کے مشابہ ہیں یا کسی قسم کے دستور کا تاریخی تذکرہ ہیں۔ کسی مقتدرِ اعلیٰ کی طرف سے نافذ کردہ مستند دستورِ مملکت نہیں"(۵)

اقتدارِ اعلیٰ

کسی ریاست کے نظام حکومت اور دستور کی نوعیت سمجھنے کے لئے اقتدارِ اعلیٰ کا نظریہ اور اصول

☆ ڈاکٹر حمید اللہ کا تاریخ و آثار میں واقعی ایک نمایاں مقام ہے لیکن ضروری نہیں کہ ڈاکٹر موصوف شریعت و فقہ کے کوئی بہت بڑے محقق بھی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بات لکھتے ہوئے ان کے سامنے اجتماعیات کے نامور محقق امام ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب غریب الحدیث کی یہ تحقیق نہ تھی کہ اس طرح ۵۳ دفعات پر مشتمل کسی دستاویز کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر نے بھی البداية والنهاية میں انہی کے حوالہ سے ایسی کسی دستاویز کے ثبوت سے انکار کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی باہمی مؤاخات کے علاوہ مختلف مواقع پر جو یہودی قبائل سے صلح کے معاہدے کئے، ان منتشر دفعات کو جمع کر کے اسے ایک دستاویز کی شکل دی گئی ہے جسے میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور کر دیا گیا ہے۔ (محدث)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنیادی اور اہم ترین ہوتا ہے۔ یہ ریاست کی ایسی خصوصیت ہے جس کا اظہار ریاست کے دیگر تمام اداروں اور ان کی پالیسیوں، قوانین، اصولوں اور ضابطوں، جن کے مطابق یہ ادارے کام کرتے ہیں، پر ہوتا ہے۔ ریاست کی اس اَساسی خصوصیت اقتدارِ اعلیٰ کی مغربی سیاسی مفکرین اس طرح وضاحت کرتے ہیں۔ **Lexicon Universal Encyclopaedia** میں تحریر کیا گیا ہے:

"Sovereignty refers both to the powers exercised by an autonomous state in relation to other Countries and to the supreme powers exercised by a state over its own members ..... selects its own political, economic and social system."

"اقتدارِ اعلیٰ قوت و طاقت کے ان دونوں پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے جو ایک خود مختار ریاست دیگر ممالک کے حوالے سے استعمال کرتی ہے اور پھر وہ برتر طاقت جو ایک ریاست اپنے ہی باشندوں پر استعمال کرتی ہے...... یہ اپنا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام خود ہی بناتی ہے" (۶)

Encyclopaedia of Social Sciences کے مطابق:

"The concept of sovereignty implies a theory of politics which claims that in every system of government there must be some person or body as competent to decide and as able to enforce the decision."

"اقتدارِ اعلیٰ کے تصور کا مطلب ایک نظریۂ سیاست ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ ہر نظامِ حکومت میں ایک ایسی مطلق العنان طاقت کا ہونا ضروری ہے جسے آخری فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو، یہ طاقت ایک شخص یا جمعیت استعمال کرتی ہے اور اس طاقت کو اس طرح تسلیم کیا جاتا ہے کہ اسے فیصلہ کرنے اور پھر اس فیصلے کو نافذ کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے" (۷)

Encyclopaedia Americana میں اقتدارِ اعلیٰ کا مطلب بیان کیا گیا ہے کہ:

"Sovereignty in political Science is the concept of the absolute and ultimate authority in state the power to which all persons and things are sulirect."

"سیاسیات کی رو سے اقتدارِ اعلیٰ کسی ریاست میں مطلق اور آخری اختیار کو کہتے ہیں۔ تمام لوگ اور ان کے تمام معاملات اس کے ماتحت ہوتے ہیں" (۸)

ایک اسلامی ریاست اور مغربی سیاسی مفکرین کے پیش کردہ جمہوری اور سیکولر نظریات کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست میں، اگر یہ کہا جائے کہ ایک ہی بنیادی، پہلا اور آخری فرق ہے، تو وہ فرق حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ کے نظریے کا ہے۔ یہ ایک ہی فرق ایسا ہے جو دونوں ریاستوں کے دیگر تمام اُصولوں کو متاثر / متعین کرتا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کی اوپر درج کی گئی تعریفوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ریاست کے تمام لوگ اور ان کے قائم کردہ ادارے اور تمام معاملات اسی اقتدارِ اعلیٰ کی قوت و طاقت کے تحت چلتے ہیں۔ ظاہری وجود و ہیئت کے لحاظ سے ایک اسلامی ریاست کے لئے بھی انہی عناصر کا ہونا ضروری ہے جن کا موجود ہونا دیگر ریاستوں کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جناب امین احسن اصلاحی اسی فرق کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں :

"ایک عام ریاست اور اسلامی ریاست میں بھی جہاں تک ان کے ظاہری ڈھانچے اور مادّی اجزائے ترکیبی کا تعلق ہے، کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ایک عام ریاست جس طرح اپنے وجود پذیر ہونے کے لئے اس امر کی محتاج ہے کہ اس کو ایک انسانی معاشرہ حاصل ہو، اس کے قبضے میں ایک مخصوص علاقہ ہو، وہ داخلی طور پر بااقتدار اور بیرونی حیثیت سے خود مختار ہو، اس کے پاس ایک سیاسی ادارہ (گورنمنٹ) ہو جو اس کے ارادوں کی تنفیذ اور اس کے مقاصد کی تکمیل کر سکے، اسی طرح اسلامی ریاست یا خلافت بھی اپنے وجود پذیر ہونے کے لئے ان ساری چیزوں کی محتاج ہے۔ اس پہلو سے غور کیجئے تو دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے لیکن جہاں تک دونوں کے اصول اور مقاصد کا تعلق ہے، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے" (۹)

اس اہم ترین فرق کا بہت زیادہ واضح اظہار برطانیہ کے نظامِ حکومت اور ایک اسلامی ریاست کے نظامِ حکومت سے ہوتا ہے۔ برطانیہ کا سیاسی نظام اس وقت قدیم ترین خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا نظامِ حکومت مستحکم انداز سے چل رہا ہے۔ اس ملک میں عوام کی منتخب شدہ پارلیمنٹ (پارلیمنٹ کا اہم ایوان دارُالعوام ہے اور وہ منتخب شدہ ہے اور یہی ایوان میں در حقیقت اصل اختیارات کا مالک ہونے کی وجہ سے پارلیمنٹ ہے، اسی لئے مشہور ہے کہ پارلیمنٹ کے وجود میں آنے اور توڑے جانے کا مطلب دارالعوام ہی ہے) کو ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ وہ ہر طرح کا قانون بنا سکتی ہے۔ قانون سازی کے سلسلے میں اسے کلی اختیارات اس طرح حاصل ہیں کہ اس کے بنائے ہوئے قانون کو کوئی اور ادارہ یا عدالت مسترد یا نامنظور نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ ملک کے بنیادی اور اہم ترین قانون / دستور میں وہ ہر قسم کی ترمیم کرنے کی مجاز ہے اور یہ ترمیم وہ آسانی سے سادہ اکثریت سے کر سکتی ہے۔ ڈائسے (A.V. Dicey) نے برطانوی پارلیمنٹ کے ہر قسم کے اختیارات تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"It can in short do everything that is not naturally impossible."

"مختصر یہ کہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے جو کہ قدرتی طور پر ناممکن نہیں ہے"

اور پھر ڈائسے پارلیمنٹ کے کلی اختیارات واضح کرنے کے لئے ایک مختصر لفظ "Omnipotence of Parliament" استعمال کرتا ہے یعنی "پارلیمنٹ کی قدرتِ کاملہ" (۱۰)

اسلام کا نظریۂ حاکمیت

برطانوی پارلیمنٹ کے اقتدارِ اعلیٰ کے نظریہ کے مقابلے میں اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ اس کا جواب

 محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود پیغمبر اسلام ﷺ کی قائم کردہ پہلی اسلامی ریاست☆ کے دستور میں موجود ہے۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد پہلے ہی سال رسول اللہ ﷺ نے سن ایک ہجری میں ایک معاہدہ تحریری دستاویز کی صورت میں کیا جس کو دنیا کی پہلی اسلامی ریاست کے پہلے دستور کی حیثیت حاصل ہے۔ ابن ہشام کی سیرت النبی ﷺ میں اس دستور کو نقل کیا گیا ہے۔ ابتدائی جملے یہ ہیں:

"شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ نوشتہ یا دستاویز ہے، محمد ﷺ کی طرف سے جو نبی ☐ ہیں، قریش اور اہل یثرب میں سے ایمان داروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہیں......"

......اور پھر اس پہلی اسلامی ریاست کے دستور کی شق نمبر ۲۴ میں ہے: "اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے" (۱۱)

یہ دستور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے اور بھیجے ہوئے نبی ﷺ نے بحیثیتِ نبی اور بحیثیت پہلی اسلامی ریاست کے سربراہ کے امت کو عطا کیا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع" اس دستور کی بنیاد اور روح ہے۔ برطانوی نظام حکومت کی روح "پارلیمنٹ کا اقتدارِ اعلیٰ" کے اصول اور نظریہ کی اسلامی ریاست میں معمولی سی بھی گنجائش نہیں ہے۔ پارلیمنٹ ایک انسانی ادارہ ہے۔ اسلام کے نظریہ کے مطابق اس کائنات کی اشرف ترین مخلوق انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ زمین و آسمان اور ان میں موجود سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، سمندر، درخت، پھل اور پھول سب کچھ اس ذات نے پیدا کئے ہیں اور انہی اشیاء کو انسان مختلف طریقوں سے استعمال کر کے اپنی زندگی کے نظام کو چلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ساری کائنات کا خالق و مالک، اس کے نظام کو چلانے والا اور اس پر "قدرتِ کاملہ" رکھنے والا ہے۔ ایسی صورت میں حاکیت کا حق بھی اسی ذات کو حاصل ہے۔ حافظ ابن کثیر سورۃ النساء کی آیت ۲۱ تا ۲۳ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ علی الاطلاق شہنشاہ حقیقی ہے، اس پر کوئی حاکم نہیں، سب اس کے غلبے اور قہر تلے ہیں، نہ اس کے حکم کا کوئی تعاقب کر سکے، نہ اس کے فرمان کو کوئی ٹال سکے، اس کی کبریائی اور عظمت و جلال اور حکومت، علم و حکمت، لطف اور رحمت بے پایاں ہے، کسی کو اس کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں، سب پست اور عاجز ہیں، کوئی نہیں جسے چون وچرا کا اختیار ہو، جو اس

☆ راجح تحقیق یہ ہے کہ اسلام کا اجتماعی نظام جو مکہ میں رسول ﷺ اور صحابہ کے درمیان موجود تھا، مدینہ کی اجتماعیت اسی کا ایک ارتقا تھا کیونکہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے یکسر مختلف سیاسی ریاست کی تاسیس مستشرق منٹگمری واٹ کی تحقیق ہے لیکن مسلمانوں کے ہاں مسلمہ امر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کا نظریۂ حاکیت سیاسیات کے نظریۂ اقتدارِ اعلیٰ سے مختلف ہے کیونکہ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کوئی اختلافی شے نہیں جیسا کہ قرآن میں ہے ﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ لہٰذا اسلام میں حاکیت کی بحث صرف اطاعت کے تصور کے تحت آسکتی ہے، اقتدارِ اعلیٰ کے تحت نہیں۔ (محدث)

☐ اس دستاویز کے میثاق نہ ہونے کی دلیل اس میں آپ کی نبوت کے اقرار کا ذکر بھی ہے کیونکہ غیر مسلم (یہودی وغیرہ) اس کو تسلیم کر لینے سے مسلمان بن جاتے ہیں جو واقعتاً درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایسی کامل دستاویز کو ثابت شدہ نہیں مانتے (محدث)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پوچھ سکے کہ یہ کام کیوں کیا، ایسا کیوں کیا، وہ چونکہ تمام مخلوق کا خالق ہے، سب کا مالک ہے، اسے اختیار ہے جو چاہے سوال کرے"[۱۲]

سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۰۸، ۱۰۹ کی تفسیر کے تحت ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے، وہ ظالم نہیں اور ہر چیز کو آپ خوب جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے...... زمین و آسمان کی کل چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں، اور ہر کام کا آخری حکم اسی کی طرف ہے، متصرف و بااختیار حاکم، دنیا و آخرت کا وہی ہے"[۱۳]

سیاسی مفکرین اقتدارِ اعلیٰ کا جو مفہوم بیان کرتے ہیں کہ ریاست کی یہ برتر قوت و طاقت مطلق العنان اور لامحدود اختیارات کی مالک ہوتی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس پر کسی بھی طرح کوئی قانونی پابندی عائد نہیں کر سکتی۔ ریاست میں سب اس کے حکم اور قانون کے تحت اور پابند ہوتے ہیں لیکن وہ کسی کے تحت اور پابند نہیں ہوتی۔ یہ طاقت نہ عارضی ہوتی ہے اور نہ ہی مستعار اور عطیہ کی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ قوت ایک ہی ہوتی ہے، اس قوت میں کوئی اور شریک نہیں ہوتا۔ یہ سب سے اعلیٰ اور برتر (Supreme) اختیار کا نام ہے۔ Encyclopaedia Americana میں اقتدارِ اعلیٰ کے لئے "Absolute and ultimate Authority in the state" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ لیکن اسلامی نظریہ کے مطابق یہ مطلق، لامحدود اور آخری اختیار اس کائنات میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ کوئی انسان یا انسانی ادارہ ایسے اختیارات کا حامل نہیں۔ ان اختیارات کا مالک صرف اور صرف کائنات کا خالق و قادر اللہ تعالیٰ ہے۔

قرآن و حدیث میں حاکم اعلیٰ، اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم ایک دو جگہ نہیں بلکہ بہت سے مقامات پر دیا گیا ہے لیکن قرآنِ کریم کی ایک آیت میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت کے حکم کے ساتھ بھلائی کے کاموں کی قید لگائی گئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی اطاعت بھلائی کے کاموں میں کی جائے گی اس پر علماء نے یہ بحث پیدا کی ہے کہ پیغمبر کے بارے میں تو یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم ہی دیں گے تو پھر بھلائی کی قید کیوں لگائی گئی۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۲ ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ "اور بھلائی کے کام میں وہ آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے" کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

"نبی ﷺ کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید لگائی گئی ہے حالانکہ حضور ﷺ کے بارے میں اس امر کی کسی ادنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی کہ آپ کبھی منکر کا حکم بھی دے سکتے ہیں۔ اس سے خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا میں کسی مخلوق کی اطاعت قانونِ خداوندی کی حدود سے باہر جا کر نہیں کی جا سکتی کیونکہ جب خدا کے رسول تک کی اطاعت، معروف کے ساتھ مشروط ہے تو پھر کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں ہو سکتا ہے کہ اسے غیر مشروط اطاعت کا حق پہنچے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے کسی ایسے حکم یا قانون یا ضابطے اور رسم کی پیروی کی جائے جو قانونِ خداوندی کے خلاف ہو"۔(۱۴)

علیم و خبیر اللہ تعالیٰ کو خود بھی معلوم تھا کہ ان کا بھیجا ہوا پیغمبر بھلائیوں ہی کو پھیلائے گا، نیکیوں کا حکم دے گا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے نبیؐ کو جاننے والا ہو بھی کون سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ تو دنیا میں تشریف ہی اس لئے لائے تھے کہ اسلام کے بھلائیوں اور نیکیوں والے پیغام کو ساری دنیا تک پہنچائیں، دنیا سے برائیوں اور خرابیوں کا خاتمہ کریں لیکن اس سب کے باوجود اس قید اور شرط کا لگانا اور قرآنِ کریم میں اس کا ذکر کرنا درحقیقت اُمت کو یہ تعلیم دینے ہی کے لئے تھا کہ وہ حاکم اعلیٰ اور مقتدرِ اعلیٰ صرف ایک اللہ ہی کو یقین کریں اور بعد میں کسی بھی وقت کسی کے لئے بھی یہ گنجائش نکالنے کا موقعہ نہ ہو کہ حکم دینے کا اختیار کسی اور طاقت و قوت کے پاس بھی ہو سکتا ہے۔ مفتی محمد شفیع تحریر کرتے ہیں:

"﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ یعنی "وہ کسی نیک کام میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گے" یہاں 'معروف' یعنی نیک کام کی قید لگانا جب کہ یہ یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم معروف اور نیکی کے سوا ہو ہی نہیں سکتا یا تو اس لئے ہے کہ عام مسلمان پوری طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں یہاں تک کہ رسول کی اطاعت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط☆ کردی گئی"۔(۱۵)

حاکم کی مشروط اطاعت

اسلامی ریاست میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے سلسلے میں ایک معاملہ حکمران کی اطاعت کا ہے۔ قرآنِ حکیم کی سورۃ النساء کی آیت ۵۹ میں اللہ تعالیٰ نے حکمران کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا: "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی، اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اس کی جو تم میں سے صاحبِ امر (حاکم) ہو۔" آیت میں صاحبِ امر (حاکم رحکمران) کی اطاعت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے حکم کے ساتھ ہی حاکم کی اطاعت کا حکم ذکر کیا گیا ہے جس سے حکومت اور حکمران کی اطاعت کی بہت زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔ اس تاکید کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے، اس لئے کہ اجتماعی زندگی انسان کا فطری تقاضا ہے اور اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط اور نتیجۃً فلاح و بہبود اور ترقی و خوشحالی، حکومت کی تشکیل و تنظیم اور اس کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں ہے، حکومت کا ہونا، قانون بنانا اور مؤثر طریقہ سے اس کا نفاذ اجتماعی زندگی کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں زیادہ بہتر تعبیر یہ ہے کہ آپ کی اطاعت مشروط نہ تھی کیونکہ ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ اور ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ آپ کی اطاعت کو غیر مشروط بیان کرتے ہیں اور آپ کے حوالہ سے قرآن میں فِي مَعْرُوفٍ کی قید احترازی نہیں، بر سبیل تذکرہ ہے جیسا کہ ہم کچھ چیزوں کو بیان کرنے کے بعد "وغیرہ، وغیرہ" کے الفاظ سے اسے عمومی حیثیت دے دیتے ہیں۔ (محدث)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لئے آیت میں حکومت کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے اور یہ تاکید ایک نہیں، کئی احادیث میں موجود ہے۔ حاکم کی اطاعت کے اس حکم اور پھر احادیث میں اس کی ترغیب و تاکید سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے ساتھ حکمران کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن یہ شبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب حکمران کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کا صحیح مفہوم و مطلب ذہن میں نہ رکھا جائے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں قرآنِ کریم کی اسی آیت ﴿أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ......﴾ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

"حاکم کی اطاعت صرف اسی وقت واجب ہے جب اس کا حکم شرع کے خلاف نہ ہو۔ آیت کی رفتار سے یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے اللہ نے انصاف کرنے کا حکم دیا اس کے بعد حاکموں کی اطاعت کا امر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک حکام عدل پر قائم ہوں، ان کی اطاعت واجب ہے۔ اس سے آگے خود صراحت فرما دی: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ یعنی "اگر کسی مسئلے میں تمہارا آپس میں اختلاف ہو جائے تو (صحیح فیصلے کے لئے) اللہ اور اس کے رسول کے (احکام کی) طرف رجوع کرو"(۱۶)

صحیح مسلم کے شارح علامہ نوویؒ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد "لازم ہے تم پر سننا اور اطاعت کرنا حاکم کی بات کا" نقل کرنے کے بعد تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ اطاعت اسی صورت میں ہے جب حاکم کا حکم خلافِ شرع نہ ہو اور اگر شرع کے خلاف ہو تو اطاعت نہ کرے"(۱۷)

ابن تیمیہؒ اس مسئلے کی وضاحت ایک اور حدیث کے ذریعہ یوں کرتے ہیں جس میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ جو بھی مخلوق (بشمول حاکم) ہے، اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مقابلے میں جائز ہی نہیں ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

"حدیثِ نبوی میں وارد ہے "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" یعنی جس کام میں خالق کی معصیت و نافرمانی ہوتی ہو، اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"(۱۸)

اسلامی ریاست میں لوگ حکمران اور خلیفہ کی اطاعت اس کے اس عہد ہی کی وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات اور طریقوں کو جاری کرے گا۔ اگر وہ اس عہد پر قائم نہیں رہتا تو اس کو اطاعت کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔ حکمرانوں کے اس عہد کا ذکر حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جب آپ کے خلیفہ کے فیصلے کے لئے صحابہ کرامؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور بالآخر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسلمانوں کا امیر و حاکم اور خلیفہ بنائے جانے پر اتفاق ہوا تو اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسلامی ریاست و حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کے سامنے اپنے عہدے کا حلف

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھاتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! میں بھی تمہارے جیسا ایک مسلمان ہوں...... میں صرف پیرو ہوں، ہادی نہیں ہوں، اگر میں راہِ راست پر گامزن رہوں تو میری اتباع کرنا اور اگر بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کرنا...... اگر میں قوتِ غضبیہ سے کام لوں تو مجھ سے علیحدہ ہو جانا، اس وقت میرا تم پر کوئی حق نہیں رہے گا"(۱۹)

سیرتِ ابن ہشام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے خطبے میں فرمایا:

"اس وقت تک میری اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرنے لگوں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں"(۲۰)

کتاب الاموال میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خطبے کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں:

"اے لوگو! میرا مقام یہ نہیں ہے کہ میں دین میں نئے نئے طریقے اپنی طرف سے وضع کرتا رہوں بلکہ میں تو دین کا اِتباع کرنے والا ہوں اور احکامِ خداوندی کا پابند ہوں"(۲۱)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے جملے، جو مختلف حوالوں سے نقل کئے گئے، اس بات کی وضاحت کے لئے کافی معلوم ہوتے ہیں کہ اگرچہ حاکم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن و حدیث میں مختلف مواقع پر اس کی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن ایسا اجتماعی زندگی میں نظم کے تقاضے کے تحت کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے حکمران حاکمیت کے اختیارات میں شریک نہیں ہوتا۔ اس کے حکم کی اطاعت اس کی ذاتی اہمیت کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حاکمیت قائم کرنے کے لئے اس کے احکامات کا اجراء/نفاذ کرتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف اپنے احکامات دیتا ہے تو اس کو "سیدھا کرنا" (حضرت ابو بکرؓ کے الفاظ میں) ضروری ہے۔ اسی اصول اور ضابطے ہی کی بنا پر اسلامی ریاست کے حکمران کو اپنے ہر حکم اور ہر فعل کے بارے میں یہ وضاحت کرنا ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ کی تعلیم کے مطابق ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ تحریر کرتے ہیں:

"من جملہ ان کے یہ کہ مظلوموں کی دادرسی کے سلسلے میں خلیفۂ وقت جو کچھ بھی عمل لائے، اس میں وہ اپنے آپ کو پبلک کے سامنے حق بجانب ثابت کر سکے۔ اس کے پاس شرع کی تصریحات میں سے کوئی ایسی واضح دلیل ہو جس کے ذریعے وہ خاص و عام کو منوا سکے کہ ظلم کی پاداش وغیرہ میں اس نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس طرح مقدمات اور جھگڑوں کے بارے میں بھی اس کے فیصلے شرعی حجت اور سند پر مبنی ہوں۔ کسی کو یہ حرف گیری کرنے کا موقع نہ ملے کہ اس نے استبدادی فیصلہ کیا اور اپنی رائے پر عمل کیا"(۲۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظامِ حکومت کی روح

کسی ملک کے نظامِ حکومت میں عام طور پر ایک بنیادی نظریہ اور روح کارفرما ہوتی ہے۔ جس نظریے اور فکر کو اس ملک کے نظامِ حکومت کی روح کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کوئی بھی قانون بناتے وقت، کوئی بھی پالیسی وضع کرتے وقت اور کوئی بھی انتظامی قدم اٹھانے کے موقع پر اس بنیادی نظریے کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ روس، جو چند سال پہلے تک دنیا کی عظیم طاقت تھا، کے نظامِ حکومت میں بنیادی نظریہ 'اشتراکیت' تھا۔ ملک کے آئین کی تمام دفعات اسی کے مطابق تھیں۔ حکومت اپنی پالیسیاں اور انتظامی اُمور اسی کی بنیاد پر چلاتی تھی۔ امریکہ کے دستور کا مطالعہ کیا جائے تو اس ملک کے نظامِ حکومت کی روح جمہوریت اور عوام کی حکومت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ امریکہ کی حکومت کی طرف سے شائع شدہ کتابچے (شائع کردہ: وزارتِ خارجہ کا ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ) میں "جمہوریت، امریکہ کی بنیاد" کی سرخی کے تحت تحریر ہے:

> "جمہوریت امریکہ کی پشت پناہ جو ۱۶۰ سال سے زائد عرصہ سے ریاستہائے متحدہ کی توسیع و بہبودی کی حفاظت و پرورش کر رہا ہے"

پھر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دستورِ اساسی کی تمہید میں الفاظ درج ہیں:

> "ہم ریاستہائے متحدہ امریکہ کے باشندے ایک مکمل تریونین کو تشکیل دیتے ہیں...... یہ دستورِ اساسی ریاستہائے متحدہ امریکہ کے لئے مقرر اور قائم کرتے ہیں"(۲۳)

امریکہ کے دستور کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ جمہوریت اور عوام کی حاکمیت اس نظامِ حکومت کا بنیادی نظریہ ہے اور اس نظامِ حکومت کی روح ہے لیکن اس سے پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت کی روح اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ ہے۔

اسلام اور جدید طرز ہائے حکومت

قرآن و حدیث، جو اسلام اور اسلامی نظامِ حکومت کے اصولوں کو معین کرنے کے لئے اہم ترین بنیادی اور اصل مآخذ ہیں، سے اگر اسلامی طرزِ حکومت کے اصول اَخذ کرنے کی کوشش کی جائے تو باوجود بھرپور کوشش کے ان سے وہ اصول شاید واضح طور پر نہیں بن سکیں گے جن کا ذکر جدید ریاست کے نظامِ حکومت میں ملتا ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت کے بنیادی اصول تو یقیناً ان مآخذوں میں موجود ہیں جن اُصولوں میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ بنیاد اور روح کی حیثیت رکھتی ہے لیکن تفصیلی باتیں قرآن و حدیث میں نہیں ملیں گی☆۔ مثلاً جدید ریاست میں وفاقی یا وحدانی طرز، پارلیمانی یا صدارتی نظام، یک ایوانی یا دو ایوانی مقننہ اور طریق انتخاب سے متعلق کئی باتیں اہم خیال کی جاتی ہیں لیکن قرآن و حدیث میں ان

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باتوں کا واضح طور پر ذکر نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور یہ زندگی کے ہر قسم کے انفرادی اور اجتماعی معاملات و مسائل کے بارے میں اُصول اور ضابطے بتاتا ہے اور دین اسلام قیامت تک کے لئے ہے تو اس مکمل ضابطۂ حیات میں نظامِ حکومت کے بارے میں پیش آنے والے جدید طرز ہائے حکومت اور خصوصیات کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکمل ضابطۂ حیات سے مراد ہے کہ زندگی کے تمام اِنفرادی اور اجتماعی معاملات کے بارے میں بنیادی اور اُصولی باتیں بیان کردی گئی ہیں لیکن وہ باتیں جو حالات کے تابع ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ تغیرپذیر ہیں، ان کے بارے میں تفصیلات بتانے سے گریز کیا گیا ہے۔ تغیرپذیر معاملات میں سے ایک اہم معاملہ نظامِ حکومت کا ہے۔ دنیا کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ حالات کی تبدیلی کا نظامِ حکومت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ دنیا میں آمریت رہی ہے، مطلق العنان بادشاہت رہی ہے، محدود بادشاہت رہی ہے، ایسی حکومت بھی رہی ہے جس میں حکمران خود کو خدا یا خدا کا مظہر بن کر حکومت کرتا رہا ہے، محدود سطح پر جمہوریت رہی ہے، غرضیکہ دنیا کی تاریخ میں مختلف ملکوں اور سلطنتوں میں مختلف قسم کے نظام ہائے حکومت رہے ہیں۔ دورِ جدید پر نظر ڈالی جائے تو ہر ملک کا اپنا مخصوص طرزِ حکومت ہے۔ جمہوریت دورِ جدید کا ایک بہترین نظریہ اور نظام تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جمہوری ممالک میں بھی مختلف قسم کے طرزِ حکومت ہیں۔ جمہوری نظامِ حکومت کے سلسلے میں دیگر ممالک کے علاوہ امریکہ اور برطانیہ مشہور ہیں۔ دونوں دنیا کے ترقی یافتہ اور متمدن ممالک شمار ہوتے ہیں لیکن دونوں کے نظامِ حکومت میں کئی اہم فرق موجود ہیں۔ مثلاً برطانیہ کے نظامِ حکومت میں پارلیمانی نظام ملک کے دستور کی بنیادی اور اہم ترین خصوصیت ہے بلکہ پارلیمانی نظام کے بطور ایک طرزِ حکومت کے، ابتداء اور تعارف وہیں سے ہوا اور یہ دنیا کی پہلی پارلیمانی جمہوریت سمجھی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی امریکہ، جو اپنے قیام سے پہلے برطانوی اِقتدار ہی کا حصہ رہا ہے، نے اپنا دستور اپنے ملک کے حالات کے مطابق اس طرح بنایا کہ اس میں صدارتی نظام کو اہم ترین حیثیت حاصل ہے اور امریکہ دنیا کا پہلا صدارتی نظام والا ملک قرار دیا جاتا ہے۔ ایک طرف فرانس کا ملک بھی ہے، جس کا شمار ترقی یافتہ اور متمدن ممالک میں ہوتا ہے، جہاں ان دونوں طرزوں سے کچھ مختلف تیسرا بین بین طرزِ حکومت اختیار کیا گیا ہے جو نہ مکمل پارلیمانی ہے اور نہ مکمل صدارتی۔ یہ ایک ایسی ریاست ہے جس میں صدارتی اور پارلیمانی دونوں نظاموں کی خصوصیات کو اختیار کیا گیا ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں اگرچہ پارلیمانی نظام ہے لیکن یہاں پارلیمانی نمائندوں کو سیاسی اور قانون سازی کے امور پر مکمل

☆ صاحبِ مقالہ یہاں Occupied اور Unoccupied کی تقسیم میں اُلجھ کر سیکولرازم کے فتنہ اِباحیت کا شکار ہوگئے ہیں حالانکہ وہ اگر اسلامی تعلیمات اور ضابطوں کے ماتحت طرز ہائے حکومت کو انسانی تجربات کے ضمن میں لاتے تو بہتر تعبیر ہوتی۔ اسلام انسانی تجربات کے ارتقا کا مخالف نہیں ہے۔ البتہ ان تجربات کو الہامی ضابطوں کی قیود کا پابند کرتا ہے۔ (محدث)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنٹرول حاصل نہیں۔ رائے دہندگان حق ہدایت (Initiatives) اور حق استصواب (Plebiscite) کے ذریعہ اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے نظام حکومت کی ایک اور منفرد خصوصیت تکثیری عاملہ (Plural Executive) ہے۔ دیگر ممالک میں انتظامیہ کا سربراہ ایک شخص ہوتا ہے لیکن اس ملک میں انتظامیہ کے اختیارات سات رکنی ادارے وفاقی کونسل کے پاس ہوتے ہیں۔ کونسل کے تمام اَرکان ایک ٹیم کی حیثیت میں فیصلے کرتے ہیں۔ پارلیمانی وصدارتی نظام کی خصوصیت کے پہلو سے ہر ملک اپنے اپنے حالات کے مطابق اُصول بناتا ہے، اسی طرح دیگر خصوصیات کے پہلو سے بھی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں فرق پایا جاتا ہے۔ ایک ہی وقت اور ایک ہی دور میں دنیا کے ملکوں میں نظامِ حکومت کی خصوصیات کے سلسلے میں فرق یہ ظاہر کرتا ہے کہ عقلی طور پر کسی ایک ہی نظامِ حکومت کو معین کر کے معیاری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب ایک دور میں تمام ممالک کے لئے ایک ہی نظامِ حکومت کا تعین مشکل ہے تو زمانے کے گزرنے کے ساتھ تو حالات میں اور بھی زیادہ تبدیلی رونما ہوجاتی ہے۔ تین سو سال پہلے حکومت چلانے کے جو اصول اور طریقے رائج تھے، وہ آج کی جدید دنیا میں متروک ہوچکے۔ برطانیہ جس کا نظامِ حکومت آج بہت کامیاب خیال کیا جاتا ہے، میں پہلے مطلق العنان بادشاہت تھی پھر مطلق العنان بادشاہ کے اختیارات محدود ہوتے چلے گئے اور پارلیمنٹ اختیارات حاصل کرتی چلی گئی، آج صورتِ حال یہ ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ کو لامحدود اور مطلق العنان اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن کیا یہی صورت حال باقی رہے گی؟ اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ دنیا کے ملکوں کے حالات اور نظاموں کے تبدیل ہونے میں بعض اوقات زیادہ وقت نہیں لگتا۔ تازہ ترین مثال روس کی ہے۔ صرف چند سال پہلے تک اس کا نظریہ اور نظام حکومت کتنا مستحکم اور قابل تقلید خیال کیا جاتا تھا۔ وہ دنیا کا مضبوط ترین ملک تھا، دنیا کے ایک حصے کی قیادت اس کے پاس تھی لیکن آج وہ مضبوط و مستحکم نظام والا طاقتور ترین ملک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوچکا ہے، سمٹ چکا ہے۔ دنیا کے کئی ممالک اس کے نظریے اور نظام کو قابل رشک اور قابل تقلید سمجھ کر اپنانے کی کوشش میں تھے۔ لیکن اب اس کی حیثیت وہ نہیں رہی، معلوم ہوتا ہے دنیا کے ملکوں کے نظام حکومت میں حالات کے مطابق مختلف اوقات اور اَدوار میں تبدیلی ہی کی وجہ سے اسلام نے تفصیلی، جزوی اور فروعی اصولوں کو معین نہیں کیا۔ لیکن اس بات کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ نظام حکومت کے بارے میں اسلام کی کوئی واضح تعلیم نہیں ہے اور اس معاملے میں اسلام نے کوئی اصول نہیں بتائے۔

اس مسئلے کی وضاحت سید سلیمان ندوی اس طرح کرتے ہیں:

"ایک ہیں قانون کے اُصول اور کلیات اور دوسرے ہیں اس کے فروع اور جزئیات۔ دنیا کے ہر قانون کے اُصول وکلیات خواہ وہ عقلی و تجربی ہوں، ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتا۔ تغیر و تبدل اور تجدد یعنی نئی نئی صورتوں کا پیش آنا، یہ واقعات اور حوادث پر ہوتا ہے جو انہی کلیات کے اندر مندرج ہوتے ہیں...... انہی اصولوں کی بنا پر ہمارے فقہاء نے فتاویٰ کا پورا دفتر مرتب کیا ہے، جس کے مطابق ہر زمانے میں ہر صورت کا جواب دیا جاسکتا ہے اور جس پر دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی عظیم الشان حکومتیں اور عدالتیں قائم ہوئیں"۔(۲۴)

نظامِ حکومت کے بارے میں قرآن و حدیث میں صرف بنیادی اُصولوں کا ذکر کر دیا گیا ہے جن میں سے ایک بنیادی اور اہم ترین اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ ہے۔ اس اصول کو جڑ اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ دیگر تمام اصول اس ایک اصول سے ہی شاخوں کی طرح پھوٹتے ہیں۔ جو اصول نہیں بتائے گئے، ان کا شمار مباحات میں کیا جاتا ہے اور یہ حالات اور مقتضیات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ نظامِ حکومت کے سلسلے میں مباحات کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ صرف نظامِ حکومت ہی نہیں زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ایسی ہی صورت معلوم ہوتی ہے۔ مولانا تقی عثمانی تحریر کرتے ہیں:

"اَحکام ہر دور میں ناقابل تغیر ہیں۔ البتہ جو چیزیں مباحات کے ذیل میں آتی ہیں ان میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ وقت اور زمانے کی مصلحتوں کے لحاظ سے انہیں اختیار یا ترک کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے اور دیکھا جائے تو زندگی کے ایسے مسائل تعداد میں بہت کم ہیں جن کے بارے میں نصوصِ شریعت نے فرض و واجب، مسنون و مستحب یا حرام و مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے اور جو ناقابل تغیر ہیں اس کے برعکس زندگی کی بیشتر چیزیں مباحات میں داخل ہیں اور ان کو ترک و اختیار کے فیصلے ہر وقت بدلے جاسکتے ہیں" (۲۵)

حفظ الرحمٰن سیوہاروی خلافت کے نظام کو قرآن و حدیث کے اَساسی اصولوں کے مطابق چلانے پر زور دینے کے ساتھ ہی مزید وضاحت کے لئے تحریر کرتے ہیں :

"اسلام میں قیاسِ صحیح اور اجتہاد کو بہت اہم جگہ حاصل ہے اور اس کا صحیح طریق کار یہ ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اُصول اور اساسی قوانین میں ادنیٰ سا تغیر بھی نہیں ہو سکتا اور ان ہی قوانین کی روشنی میں ایسی جزئیات اور تفصیلات اور ایسے احکام استخراج و استنباط کئے جائیں جو ایک جانب تو ان اَساسی اصولوں کے ماتحت ہوں اور دوسری جانب مقتضیاتِ وقت اور حادثات کا بہترین حل کرتے ہوں"(۲۶)

تفصیلات سے گریز کی حکمت

اگرچہ اسلام نے زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبے کے بارے میں ضابطے اور اُصول معین کر دیئے ہیں اور اس لحاظ سے اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے لیکن اسلام کی منشا یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کے ماننے والوں کو اتنا بھی نہ جکڑ دیا جائے کہ وہ اسلامی زندگی گزارنے میں مشکل اور تنگی محسوس کریں اور ہر ہر بات میں پابند بن کر رہ جائیں۔ اسلام سہولت اور آسانی بھی عطا کرنا چاہتا ہے۔ بعض باتوں میں اسلام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے تفصیلی ہدایات اس لئے نہیں دیں کہ ان میں اپنی عقل و شعور کو استعمال کیا جائے۔ شاہ ولی اللہ نے اس بات کو کئی مواقع پر واضح کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ میں تیسیر کو مستقل موضوع بنا کر اس پر تفصیل سے بحث کی ہے بلکہ اس اصول کو شریعت کا اَصلُ الاصول قرار دیا ہے کہ آسانی اور سہولت پیدا کی جائے، تنگی اور مشکل میں مبتلا نہ کیا جائے...... وہ تحریر کرتے ہیں:

"ایک اور آیت ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ "اللہ تعالیٰ تو تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ تم کو تکلیف دے" رسولِ خدا ﷺ نے جب ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو عامل مقرر کر کے صوبہ یمن میں بھیجنا چاہا تو آپ نے انہیں وصیت کی کہ "لوگوں کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرو، ان کو تکلیف میں مت ڈالو اور ایک دوسرے کا کہنا مانو، ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو"(۲۷)

جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو اس وقت سوال کیا گیا کہ کیا ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے: "اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر کھولی جائیں تو تمہیں بری لگیں" (سورۃ المائدہ:۱۰۱)...... اس آیت کی تفسیر کے تحت حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس کے سوال کی وجہ سے ایک غیر حرام چیز بربناء وضاحت حرام ہوگئی اور لوگوں پر تنگی پیدا ہوگئی...... اگر کتاب میں کچھ مذکور نہ ہو اور تم نے کیا تو تمہارے عمل کی تم سے باز پرس نہیں تو تم بھی کسی سوال سے متعلق چپ سادھ لیا کرو...... میں بعض باتوں سے عمداً ساکت ہوں۔ یہ تم پر اقتضاءِ رحمت کی بناء پر ہے، میں بھول جانے کے سبب ساکت نہیں ہوا"(۲۸)

سورۂ مائدہ کی اسی آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی تحریر کرتے ہیں:

"خدا نے جس چیز کو کمالِ حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا، وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس سے سکوت کیا، اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقعہ ملا، عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے اور اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے گا حالانکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جوابات میں ایسے اَحکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے"(۲۹)

اسی طرح قرآنِ کریم کی سورۃ البقرہ میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کو جب گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ گائے کے متعلق مختلف سوالات کرنے لگے کہ وہ کس طرح کی ہو، کس رنگ کی ہو، وغیرہ۔ ان کے اس طرح کے سوالات کو بارگاہِ خداوندی میں ناپسند کیا گیا۔ اس لئے کہ گائے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذبح کرنے کے حکم کی تعمیل میں کسی بھی گائے کو ذبح کیا جاسکتا تھا مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی گئی سہولت سے فائدہ نہ اُٹھایا اور اپنے آپ کو خود تنگی و مشکل میں مبتلا کیا۔ انہوں نے تشدد کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ سورۃ البقرہ کی آیات نمبر ۶۸ تا ۷۰ کی تفسیر کے تحت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی تحریر کرتے ہیں:

> "اس گائے کی صفات کے طالب ہوئے اور یہ ان کی بڑی حماقت تھی...... ابن جریرؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ "اللہ کے لئے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے" نازل ہوئی تو عکاشہ بن محصنؓ نے سرورِ دو عالم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا، پھر پوچھا، پھر بھی آپ نے بولے جب تیسری دفعہ پوچھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر سال فرض نہیں اور فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور تم سے نہ ہو سکتا"(۳۰)

سوالات کرنے سے اس وقت منع کیا گیا جب نبی کریم ﷺ موجود تھے اور وحی الٰہی کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح کے سوالات کے جواب میں وحی نازل کی جاسکتی تھی لیکن پھر بھی سوالات سے منع کرنے کی حکمت یہی بتائی گئی ہے کہ جو باتیں نہیں بتائی گئیں وہ عمداً نہیں بتائی گئیں اور اس لئے نہیں بتائی گئیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ایسی باتوں میں عقل و شعور اور تجربات سے کام لے کر اپنی آزادی سے کوئی کام کر لیں یا چھوڑ دیں۔ ان میں باریکیاں پیدا کر کے اپنے آپ کو پابند کرنا اور تنگی و مشکل میں ڈالنا اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ ناپسندیدہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی کا سبب ہے جیسا کہ ابن کثیر کے حوالے سے حدیث گزر چکی ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا مجرم ہے جس کی وضاحت طلب کرنے پر حلال چیز حرام ہوگئی اور جس کی وجہ سے لوگ تنگی میں مبتلا ہوئے اور دوسری تفسیر میں ایسے لوگوں کے اس فعل کو حماقت قرار دیا گیا ہے لہٰذا قرآن و حدیث کی یہ وعیدیں ان لوگوں کے غور و فکر کے لئے ہیں جو اسلامی نظامِ حکومت کے سلسلے میں ان ضابطوں اور انداز کو اسلامی قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں جن ضابطوں کو اسلام نے صراحۃً معین نہیں کیا اور جن کو ملک کے حالات اور مقتضیات کے مطابق تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ نظامِ حکومت کے بارے میں چند بنیادی اُصول بتا کر تفصیلات اور جزئیات بتانے سے گریز کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو آزاد رکھا گیا ہے کہ ہر ملک اپنے حالات اور تقاضوں کے مطابق اساسی اصولوں کے تحت جن ضابطوں اور طریقوں کو اختیار کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے تجربات سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

علم و حکمت مؤمن کی گمشدہ چیز ہے وہ اس کو جہاں پائے اس کے لینے کا وہی زیادہ حقدار ہے۔ جنگوں کے مواقع پر حضور اکرم ﷺ نے کفار مشرکین کے اچھے طریقوں سے استفادہ کیا اور آپؐ نے اور آپؐ کے خلفائے راشدین نے ریاست اور حکومت کے معاملات میں بھی جو اچھے طریقے دوسری

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوموں کے دیکھے، انہیں اختیار کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے غزوۂ احزاب کے موقع پر مدینہ منورہ کے اطراف میں ایک گہری خندق کھودنے میں دوسروں کا طریقہ اپنایا گیا اور حضرت سلمان فارسیؓ ہی کے مشورہ سے غزوۂ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلاتِ حرب استعمال کئے اور دو صحابہ کو تو خاص طور پر صنعت سیکھنے کے لئے حضورِ اکرم ﷺ نے شام کے صنعتی شہر بھیجا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تقسیم آمدنی کے لئے دفاتر قائم کرنے کے منصوبے پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، اس مشورہ کو جلال الدین سیوطی نے اس طرح نقل کیا ہے:

> "ولید بن ہشام بن مغیرہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المومنین! میں نے ملک شام کی سیر کی ہے اور وہاں کے بادشاہوں کو دیکھا ہے۔ انہوں نے نظامِ سلطنت کے لئے دفاتر قائم کر رکھے ہیں جس کے باعث شہروں کو خوب آباد کیا ہے۔ ولید کا یہ مشورہ آپ کو پسند آیا اور آپ نے ایسی ہی کیا"(۳۱)

ان ابتدائی نوعیت کی اصولی بحثوں کے بعد اسلامی سیاست کے جامع خاکے کو عنقریب ایک مستقل مضمون میں زیرِ بحث لایا جائے گا۔ ان شاء اللہ (محدث)

حوالہ جات:

1. Aristotle: Politics, P.54, Randum House , the Modern Library U.S.A. 1943.
2. Gettell, Raymond Garfield: Political Science, PP.244-245, the World Press Private Ltd, Calcutta ist ed. 1950, 1959. Revised fifth edition.
3. Patterson, E.Jhomas: The American Democracy, P.19, Mcgraw-Hill Publishing Company New york, 1990.
4. Dicey, A.V: Law of the constitution. P.3, Oxford 1914, 8th Edition.
۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۷۶، ۷۷، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ستمبر ۱۹۸۷ء
6. Lexicon Universal Encyclopaedia, vol.18: P.113, Lexicon Publications, New York, N.Y. 1987.
7. International Encyclopaedia of Social Sciences: vol.15: P.77 Macmillan Company & The Free Press, New York, Rehrunted, 1972.
8. Encyclopaedia Americana vol.25: P.347, Grolier Incorporated Dambur, U.S.A.1987.
۹۔ امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، ص ۱۵، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، جولائی ۱۹۷۷ء
10. Dicey, A.V.: Law of the Constitution. P.40, Oxford 1914, 8th edition.
۱۱۔ ابن ہشام، سیرت النبیؐ، جلد اول (اردو ترجمہ) صفحہ ۵۵۴، ۵۵۸، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
۱۲۔ حافظ ابوالفداء، ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، جلد سوم، ص ۸۔۹، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۱۳۔ حافظ ابوالفداء، ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، جلد اول، ص ۱۲، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۱۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد پنجم، ص ۴۶۶، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، اپریل ۱۹۸۲ء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ہشتم، ص ۴۱۸، ادارۃ المعارف، کراچی، مارچ ۱۹۸۴ء

۱۶۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، حصہ سوم، ص ۱۵۰، ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، جنوری ۱۹۸۰ء

۱۷۔ صحیح مسلم شریف مع شرح نووی، جلد پنجم، ص ۱۲۵، مکتبہ شعیب، برنس روڈ، کراچی

۱۸۔ ابن تیمیہ، سیاسۃ شرعیۃ (اردو) ص ۸۳، کلام کمپنی، کراچی

۱۹۔ ابو جعفر جریر طبری، تاریخ طبری (اردو ترجمہ) جلد دوم، ص ۴۱، ۴۲، نفیس اکیڈمی کراچی

۲۰۔ ابن ہشام، سیرت النبیؐ، جلد دوم (اردو ترجمہ)، ص ۸۱۲، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۲۱۔ ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال (اردو ترجمہ) ص ۳، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۲۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، جلد دوم، ص ۶۰۲، قومی کتب خانہ، لاہور، دسمبر ۱۹۸۳ء

۲۳۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ (عوام کے ذریعے)، شائع کردہ: ریاستہائے متحدہ امریکہ، ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ

۲۴۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، جلد ہفتم، ص ۱۹۹، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴ء

۲۵۔ ماہنامہ "فکر و نظر" (نفاذ شریعت نمبر) محمد تقی عثمانی کا مضمون، ص ۹۲، اسلام آباد، مارچ ۱۹۸۳ء

۲۶۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۲۳، مکتبہ امدادیہ، ملتان

۲۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول (اردو ترجمہ)، ص ۵۴۴، قومی کتب خانہ لاہور، دسمبر ۱۹۸۳ء

۲۸۔ حافظ ابو الفداء، ابن کثیر۔ تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، ص ۲۶، نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی

۲۹۔ شبیر احمد عثمانی، قرآن حکیم ترجمہ شیخ الہند والتفسیر، ص ۱۶۵، تاج کمپنی، کراچی

۳۰۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، جلد اول، ص ۱۳۶، ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، جنوری ۱۹۸۰ء

۳۱۔ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۲۵، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، اپریل ۱۹۸۷ء

کل پاکستان حفاظ قرآن نونہالان اسلام کا

مقابلہ حفظ قرآن

برنامج تحفیظ قرآن کریم انٹرنیشنل اسلامک ریلیف آرگنائزیشن (رابطہ عالم اسلامی) سعودی عرب

کل پاکستان نونہالان اسلام مقابلہ حفظ قرآن کا اہتمام کر رہا ہے جس میں درج ذیل شرائط کے حامل حفاظ کرام شرکت کر سکتے ہیں۔

۱۔ پکے حافظ قرآن ہو۔ ۲۔ عمر دس سال تک ہو۔

۲۔ مہتمم مدرسہ / اپنے استاد / سکول پرنسپل سے حلفاً عمر کی تصدیق اور تین عدد فوٹو کے ساتھ درخواست دیں۔

۳۔ مدارس اپنے کم عمر حفاظ کے لیے مدرسہ کی طرف سے درخواست دے سکتے ہیں۔

انعامات

۱۔ کامیاب طلبہ کے لیے عمرے کے ٹکٹ اور سعودی عرب میں مقدس مقامات کی زیارت کا انتظام نیز نقد انعامات۔

۲۔ کامیاب طلبہ کے مدرسین کے لئے بھی نقد انعامات ۳۔ قرآن پاک کے کیسٹ ۴۔ دیگر قیمتی انعامات

پہلے مرحلہ میں مختلف مقامات پر ذیلی مقابلے ہوں گے۔

مقابلہ میں شرکاء کے لئے آمد و رفت، قیام و طعام بذمہ ادارہ ہوگا۔

رابطہ و معلومات

برنامج تحفیظ قرآن کریم، پاکستان

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ